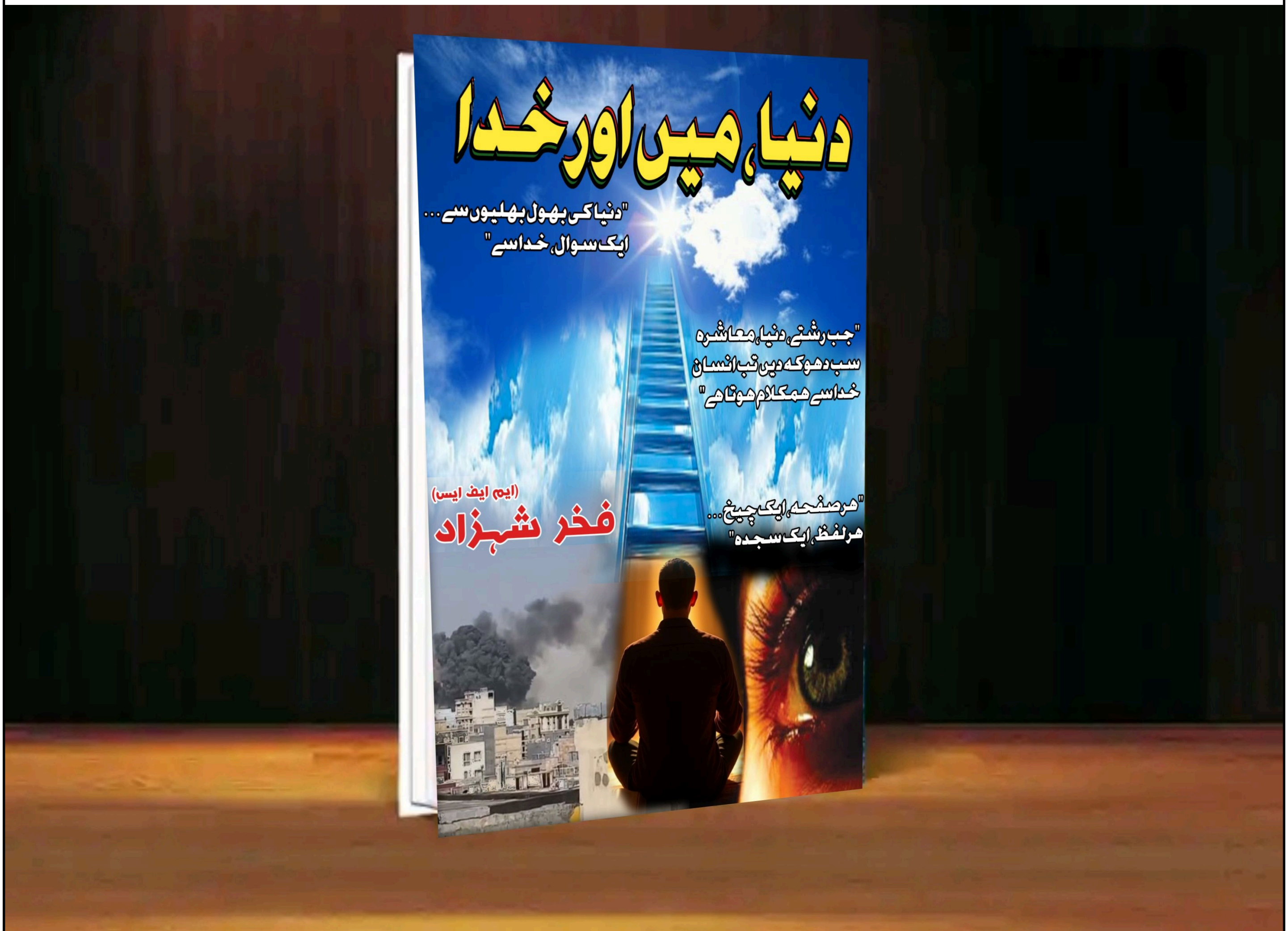

دنیا، میں اور خدا
"دنیا کی بھول بھلیوں سے...
ایک سوال، خدا سے"
"جب رشتے، دنیا، معاشرہ
سب دھوکہ دیں تب انسان
خدا سے ہمکلام ہوتا ہے"
(ایم ایف ایس)
فخر شہزاد
"ہر صفحہ، ایک چیخ...
ہر لفظ، ایک سجدہ"

کتاب

دنیا، میں اور خدا

مصنف

فخر شہزاد (ایم ایف ایس)

انتساب

اس کتاب ... کو

اُس ماں کے نام —
جس نے میرے بچپن کی بے زبانی میں بھی میری باتیں سنیں۔

اُس باپ کے نام —
جس کی خاموشی میرے الفاظ بن گئی۔

اُس رب کے نام —
جس سے میں نے باتیں نہیں کیں، مگر وہ ہر بار جواب دیتا رہا۔

...اور
اُس درد کے نام،
جس نے مجھے لکھنا سکھایا۔
اور۔۔۔
اُس اُستاد کے نام،
جس نے مجھے قلم تھمائی ۔۔۔
اُستاد شاہین سیف بلوچ

پیش لفظ

دنیا میں آنکھ کھولنے سے لے کر اس کتاب کے صفحے بند ہونے تک —
یہ ایک سفر ہے، لفظوں کا نہیں، احساسات کا۔

یہ کتاب نہ تو ادب کے کسی دبستان سے وابستہ ہے،
نہ کسی مخصوص نظریے کی ترجمان ہے —
یہ صرف ایک عام انسان کا مکالمہ ہے، اپنے رب سے، اپنے آپ سے، اور اس دنیا سے۔

ان صفحات میں آپ کو نہ شاعری ملے گی، نہ غزلیں،
لیکن یہاں سچائی ملے گی، ایک بے چین روح کی للکار،
اور ...شاید کچھ وہ سوالات بھی، جو آپ کے دل میں بھی کبھی جاگے ہوں گے۔

میں نہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں کوئی بڑا لکھاری ہوں،
نہ یہ کہ میرے الفاظ انقلابی ہیں،
لیکن یہ ضرور کہتا ہوں —
کہ جو کچھ بھی لکھا ہے، دل کی سچائی سے لکھا ہے۔

اگر کہیں ایک جملہ بھی آپ کو سوچنے پر مجبور کرے —
تو سمجھ لیجیے گا کہ مقصد پورا ہو گیا۔

عرضِ مؤلف

(کتاب کے آغاز پر ایک وضاحتی نوٹ)
یہ چند صفحات،
میری ذات کی اندرونی چیخ، معاشرتی مشاہدات،
اور روحانی مکالمے کی ایک ادنیٰ کوشش ہیں۔
میری گزارش ہے کہ اس کتاب کے کسی لفظ، کسی جملے یا کسی خیال کو
ذاتی تنقید نہ سمجھا جائے۔
اگر کہیں کوئی بات دل آزاری کا باعث بنے، یا کسی زاویے سے ناگوار گزرے،
تو میں پیشگی معذرت خواہ ہوں۔
میں نے جو کچھ بھی تحریر کیا —
وہ اس معاشرے کی دھڑکنوں، آس پاس کے ماحول، اور اپنی عقل و فہم کی روشنی میں
سمجھا، محسوس کیا،
اور اپنے لفظوں کے ذریعے آپ کے سامنے پیش کر دیا۔

یہ نہ کوئی فیصلہ ہے،
نہ کوئی فتویٰ —
بس ایک سوال ہے، ایک سوچ ہے، ایک احساس ہے
جو میرے قلم سے کاغذ تک آپ تک آ گیا۔

اللہ تعالیٰ میری نیتوں کو قبول فرمائے
اور آپ کو سچائی کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔
آمین۔

فہرست

صفحہ	موضوع	نمبر شمار
6	ماں بیٹے سے خود کہتی ہے۔ عورت پاؤں کی جوتی ہے	۱
11	جنگ عورت کی عورت سے ہوتی ہے، مرتا مرد ہے	۲
17	کون آپ کے ساتھ مخلص ہے، جبکہ آپ خود بھی نہیں؟	۳
23	پیسے کا نشہ — وہ نشہ جو انسان کو انسان نہیں رہنے دیتا	۴
28	خدا سے ہم کلام ہونا — ایک مشورہ، ایک فریاد	۵
33	کلام ، واہ خدا تیری خدائی آج تلک سمجھ نا آئی	۶

ماں بیٹے سے خود کہتی ہے: عورت پاؤں کی جوتی ہے

بیٹے نے بے خیالی میں پوچھا،
ماں، " عورت کیا ہوتی " ہے؟

ماں نے کہا:
بیٹا، " عورت پاؤں کی جوتی ہوتی ہے۔ جب تک ٹھیک لگے، پہنو۔ جب پرانی ہو جائے یا تنگ لگنے لگے، بدل " دو۔

بیٹے نے کچھ نہ کہا، چپ رہا، مگر وقت نے اس کے دل پر یہ جملہ کندہ کر دیا۔

ماں یہ بھول گئ تھی کہ وہ خود بھی عورت تھی۔
کبھی کسی کی بیٹی،
پھر بہو،
پھر بھابھی،
اور پھر ایک دن ساس بنی۔

کیا وہ بھول گئ کہ جب وہ خود بہو بنی تھی تو کس نظر سے دیکھی گئ تھی؟
اسے جب ماں نے بیٹی بنا کر نہ اپنایا تھا، تو وہ ہر دن ادھوری محبت اور بے اعتنائی کے سائے میں گزارتی رہی۔

پھر وقت گزرا، بیٹے کی شادی ہو گئی۔
ماں اب ساس بن گئی۔
اور جو درد، جو طعنہ، جو ظلم اسے کبھی ملا تھا —
اب وہ اسی کی وارث بن گئی۔
گویا، جو زہر اس نے پیا تھا، وہی اب دوسروں کو پلانے لگی۔

ماں کی نظروں میں بیٹی کی عزت، نرمی اور نخرے جائز
مگر بہو کی آنکھوں میں آنکھ ڈالنا بھی گستاخی۔

بیٹی کے لیے کہتی ہے:
"میرے داماد نے نخرے اٹھائے، میری بیٹی کو راج کروایا"

لیکن بہو کے لیے کہتی ہے:
"غلام بن کے رہ، زبان بند رکھ، تیری مرضی یہاں نہیں چلے گی"

ماں یہ بھول جاتی ہے کہ:

> آج کسی کی بیٹی تیرے گھر میں ہے، کل تیری بیٹی کسی اور کے گھر میں ہوگی۔

کاش وہ یہ سوچ لے:

> جو محبت، جو عزت، جو نرمی وہ اپنی بیٹی کے لیے چاہتی ہے،
وہی بہو کو دے کر وہ اپنی بیٹی کے لیے دعا کمائے۔

دنیا کا عجیب رواج ہے:
بہو غلام ہو، داماد بادشاہ۔
بہو خاموش رہے،
داماد کو دل کی بات بھی سنی جائے۔

کاش ماں یہ سوچ لے:

> میں عورت ہوں، اور عورت کی دشمن عورت نہ بنوں۔

جو شفقت اسے نہ ملی،
وہ کسی اور کو کیوں نہ دے؟
کیوں نہ وہ پہلا قدم اٹھا لے؟
کیوں نہ وہ ظلم کے سلسلے کو وہیں روک دے؟

بیٹے کے سامنے یہ کہنا کہ "عورت پاؤں کی جوتی ہے"
صرف ایک جملہ نہیں —
یہ اس کی سوچ، اس کے بیٹے کی تربیت، اور اگلی نسل کے زخم کی جڑ ہے۔

بیٹے نے کچھ نہ کہا،
مگر ایک دن جب اس کا اپنا دل ٹوٹے گا
تو وہ ماں سے کہے گا:

> "ماں، اگر عورت جوتی ہے — تو تم بھی کسی کی بیوی، کسی کی بہو تھی۔
اور آج تم میری ماں ہو —
کیا تم خود اپنے ہی جملے کی مثال نہیں بن چکیں؟"

اختتامیہ

عورت اگر عورت کی سہیلی بنے،
ماں اگر بیٹی اور بہو دونوں کو ایک جیسا پیار دے،
ساس اگر ماں بن جائے —
تو گھر جنت بن جائے۔

لیکن اگر عورت ہی عورت کو کمزور، کمتر، اور قابلِ تحقیر سمجھے
تو تباہی صرف عورت کی نہیں، نسلوں کی ہوتی ہے۔

جنگ عورت کی عورت سے ہوتی ہے، مرتا مرد ہے

گھر کی فضا عجیب سی تھی، جیسے کچھ دنوں سے سکون وہاں ٹھہرتا ہی نہ ہو۔

ماں کی باتوں میں کڑواہٹ تھی، بہن کی آنکھوں میں ضد، اور بیوی کے لہجے میں خفگی۔
اور درمیان میں وہ مرد — جو دن بھر کی محنت کے بعد گھر آتا تھا تھوڑا سا سکون، تھوڑی سی مسکراہٹ تلاشنے کے لیے...
مگر اسے روز ایک نیا محاذ ملتا۔

کبھی ماں کہتی:
"تیری بیوی دن بھر کمرہ بند رکھتی ہے، کوئی کام نہیں کرتی۔ ہم غلام بن کے رہ گئے ہیں۔"

کبھی بہن شکوہ کرتی:
"اس کے سامنے کچھ بولو تو منہ چڑھاتی ہے۔ بھائی، یہ عزت ہے؟"

اور جب وہ بیوی کے پاس آتا، تو وہ روٹھے لہجے میں کہتی:
"آپ کی ماں اور بہن روز روز میرے دل کو زخمی کرتی ہیں،
اور آپ ہیں کہ ہمیشہ انہی کی سنتے ہیں۔"

اصل جنگ کہاں ہے؟

لڑائی کسی مرد سے نہیں ہوتی۔
یہ جنگ عورت کی عورت سے ہے۔

ساس، نند، بھابھی، بہو —
یہ سب رشتے خوبصورت ہوتے اگر ان میں حوصلہ، محبت، اور برداشت ہوتی۔

مگر زیادہ تر گھروں میں:
کام کو لے کر طعنہ
کپڑوں کو لے کر جلن
بیوی کا میک اپ، ساس کو برا
بیوی کا کمرے میں بیٹھنا، نند کو بیکار
پیسوں کا حساب، سوال بن جاتا ہے

اور عزت کا معیار، بس اپنی مرضی سے طے ہوتا ہے

ساس اور نند اکثر محاذ کی پہلی صف میں ہوتی ہیں —
وہ نہ صرف بہو کو نشانہ بناتی ہیں،
بلکہ خود کو مظلوم اور بہو کو فتّانہ بنا کر پیش کرتی ہیں۔

اور بیچ کا جو شخص ہے —
وہ مرد —
وہ بیچارہ تِل تِل کر اندر ہی اندر مرنے لگتا ہے۔

اور پھر وہ دن آتا ہے...

ایک دن وہ چپ بیٹھے بیٹھے، سینے پر ہاتھ رکھتا ہے
اور ہارٹ اٹیک سے مر جاتا ہے —
ڈاکٹر کہتے ہیں "دل کا دورہ"
لیکن سچ یہ ہوتا ہے:

> دل تو برسوں سے دبتا، سہتا، گھٹتا آ رہا تھا۔

کبھی کبھی وہ خودکشی بھی کر لیتا ہے۔
اور کوئی نہیں پوچھتا کہ اس کے اندر کا شور، چیخ، اور بے بسی کیا تھی۔

اس کی بات، صرف رب سے:
جب وہ تنہا ہوتا ہے، تو رب سے کہتا ہے:
> "میرے مالک، میں جانتا ہوں یہ گناہ ہے، یہ حرام ہے
مگر میں اس دنیا سے، اس نظام سے، ان رشتوں کی جکڑ سے
تنگ آ چکا ہوں
مجھے معاف کرنا، میں اب لوٹ کر تیری طرف آ رہا ہوں
یہ میرا اور تیرا معاملہ ہے، اور کسی کو کچھ نہیں سمجھانا۔"

مرد کا مقدمہ:
یہ وہ مرد ہوتا ہے
جو اپنی ماں کو جھٹلائے تو بدتمیز بیٹا کہلاتا ہے
اور بیوی کا ساتھ دے تو زن مرید ہو جاتا ہے

لیکن اگر وہ بیوی کی سسکیوں کو نہ سمجھے،
تو ایک بیٹی، ایک بہن، ایک انسان کے جذبات روند دیتا ہے
اور پھر وہی ظلم کل کو اس کی اپنی بیٹی پر لوٹتا ہے

تو وہ کرے تو کیا کرے؟

اختتامیہ

ہم روتی ہوئی عورت کو دیکھ لیتے ہیں
مگر تڑپتے مرد کو نہیں دیکھتے
کیونکہ مرد رو نہیں سکتا، گلا نہیں کر سکتا، چیخ نہیں سکتا
بس چپ چاپ اندر اندر جلتا رہتا ہے، گھٹتا رہتا ہے، اور ایک دن ختم ہو جاتا ہے۔

اگر عورت، عورت سے جنگ بند کر دے —
اگر ساس، نند، بہو کو بیٹی سمجھ لے —
اگر بہن، بیوی کو شریک حیات مان لے —
تو مرد بچے گا
اور گھر واقعی گھر بنے گا،
ورنہ یہ رشتے لاشوں کا بوجھ بن کر رہ جائیں گے۔

کون آپ کے ساتھ مخلص ہے، جبکہ آپ خود بھی نہیں؟

کسی خاموش رات میں آئینہ دیکھتے ہوئے کبھی خود سے پوچھا:
"کیا میں واقعی اپنے ساتھ مخلص ہوں؟"

اگر یہ سوال واقعی دل سے کیا جائے تو جواب میں یا تو خاموشی ہو گی... یا شرمندگی۔

ہم روز دوسروں پر الزام لگاتے ہیں۔
ماں نے یہ کیا، باپ نے یہ چھوڑا، بہن نے یہ کہا، بھائی نے وہ کر دیا، دوست نے دھوکہ دیا، دنیا نے سمجھا نہیں...
لیکن کوئی یہ نہیں سوچتا کہ:

> "میں خود اپنے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہوں؟"

آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟

یہ کہانی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں زندگی کی ابتدا ہوتی ہے
— ماں کے پیٹ سے۔

خالقِ کائنات ایک روح تخلیق کرتا ہے، اسے ماں کی کوکھ میں امانت کے طور پر رکھتا ہے۔
لیکن ابھی وہ روح سانس نہیں لیتی،
ماں کی باتیں، دادی کے طعنے، گھر کی تلخیاں، ساس کی نوک جھونک —
سب کچھ وہ سننے لگتی ہے، محسوس کرنے لگتی ہے۔

اور اکثر ایسی ایسی باتیں —
جنہیں ہم "معمول کی باتیں" سمجھ کر زبان پر لاتے ہیں —
وہ بچوں کی فطرت پر داغ بن جاتی ہیں۔

ماں باپ کی پرورش یا معاشرتی پروجیکٹ؟

ماں باپ کہتے ہیں:
"ہم تو بچے کے لیے سب کچھ کر رہے ہیں!"
لیکن وہ سب کچھ کیا ہے؟

دنیاوی تعلیم: جی ڈاکٹر، انجینیئر، پائلٹ بنے گا
دنیاوی سٹیٹس: جی ہمارے خاندان کا نام روشن کرے گا
دنیاوی سوچ: جی اس نے کوٹھی بنانی ہے، گاڑی لینی ہے، شہرت کمانی ہے

لیکن کوئی یہ نہیں کہتا:
"اس نے راستہ حق پر چلنا ہے،
سچ بولنا ہے،
حرام سے بچنا ہے،
دین کی خدمت کرنی ہے،
اور امتِ محمدیہ کا فخر بننا ہے"

ہم خود اپنے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں

ہم خود کو کہانیوں میں نیک، سچے، مظلوم کردار مانتے ہیں، مگر اصل زندگی میں اپنے نفس کے سب سے بڑے دشمن خود ہوتے ہیں۔

ہم بچوں کو حلال کی کمائی سے نہیں، فراڈ سے پال رہے ہوتے ہیں
ہم سچ کا سبق نہیں دیتے، جھوٹ کا ہنر سکھاتے ہیں
ہم محفلوں میں گانے، فیشن، دکھاوا سکھاتے ہیں —
نماز، صبر، سچائی نہیں
ہم دکھاوے کی کامیابی پر تالیاں بجاتے ہیں،
اور اصل نیکی پر طنز کرتے ہیں

کوئی مخلص نہیں، کیونکہ کوئی خود سے سچا نہیں

بہن بھائی ایک دوسرے کا سٹیٹس دیکھتے ہیں، محبت نہیں

دوست فائدہ دیکھتے ہیں، خلوص نہیں

رشتے دار موقع ڈھونڈتے ہیں، قربانی نہیں

ماں باپ بھی دنیاوی نمائش میں الجھ جاتے ہیں، دین کی بنیاد بھول جاتے ہیں

تو پھر اگر کوئی بھی اپنے ساتھ سچا نہیں،
تو دوسروں سے وفا، محبت، اخلاص کی امید کیوں؟

اب کیا کرنا چاہیے؟

یہ سب لکھنے یا پڑھنے سے زیادہ ایک فریاد ہے —
ایک پکار ہے دلوں کے دروازوں پر۔
> اٹھو!
نئے نظریے کے ساتھ!
ایسی تربیت کرو کہ بچہ دنیا میں آئے تو نور بن کر چمکے، نہ کہ بوجھ بن کر جئے
رزق کماؤ، مگر حلال ہو
عزت کماؤ، مگر سچائی سے
تربیت کرو، مگر دین کی بنیاد پر

ہمیں اگلی نسل کو "ماڈرن انسان" نہیں، "صالح انسان" بنانا ہے۔

اختتامیہ

کسی پر الزام نہیں — یہ ایک نئی سوچ کی دعوت ہے۔

ہم میں سے ہر شخص اگر اپنے ساتھ سچا ہو جائے،
اپنی نیت صاف کرے،
اپنی ذات سے تربیت شروع کرے —
تو نہ صرف گھر بدلے گا،
بلکہ پورا معاشرہ گلشن بن جائے گا۔

> اپنے ساتھ مخلص ہو جاؤ —
پھر دیکھو رب بھی مخلص ہو جائے گا۔

پیسے کا نشہ — وہ نشہ جو انسان کو انسان نہیں رہنے دیتا

پیسہ —
ایک وقت تھا جب یہ ضرورت تھا،
پھر خواہش بن گیا...
اور اب یہ نشہ ہے۔
ایسا نشہ جس نے انسان کے دماغ پر حرص، حسد، خود غرضی، اور بے رحمی کی پٹی باندھ دی ہے۔
اب لوگ انسان کو نہیں، اس کا بینک بیلنس دیکھتے ہیں
رشتے کو نہیں، اس کی مارکیٹ ویلیو تولتے ہیں
پیار کو نہیں، اس کے برانڈ اور گاڑی کو اہمیت دیتے ہیں

مرنے والوں کے وارث نہیں، مال کے دعویدار بہت ہیں

آج کل کے جنازوں کو دیکھ لیجیے:
ایک طرف میت پڑی ہوتی ہے —
ٹھنڈی، خاموش، بے بس
اور دوسری طرف وہی عزیز و اقارب —
جو آنکھوں میں آنسو بھی پورے اداکاری سے لاتے ہیں —

جائیداد کی کاغذی جنگ میں الجھے ہوتے ہیں

کوئی پوچھے تو سہی:
کیا یہ وہی رشتے نہیں تھے جن کے لیے انسان جیتا مر جاتا ہے؟

خبریں چیخ رہی ہیں، لیکن ہم بہرے ہو چکے ہیں
پچھلے کچھ دنوں کی خبریں بتاتی ہیں:
کسی فلیٹ سے ایک ماہ پرانی لاش ملی
تو کہیں چھ ماہ پرانی لاش ملی

کہیں ایک بوڑھی عورت اکیلی، بے سہارا مری

کوئی تنہا مر گیا، اور وارث دوستوں کی لسٹ میں بھی نہیں ملا
کیا یہ سب اتفاق ہے؟
نہیں...
یہ اس نشے کا اثر ہے جس نے رشتوں کو بھلا کر کاغذوں سے محبت سکھا دی ہے۔

پیسہ — بس پیسہ !
باپ، بیٹے سے پیسے کی امید رکھتا ہے
بیٹا، باپ کو بوجھ سمجھتا ہے
بھائی، بھائی کی جیب دیکھتا ہے
بہن، سسرال کے سٹیٹس سے بہن بھائیوں کی قدر طے کرتی ہے
رشتے صرف گفٹ، شاپنگ، پارٹی کے معیار سے باقی رہتے ہیں

یہ سب لوگ انسان نہیں، فائلیں، اکاؤنٹ، سونا، اور زمین کے کاغذ بن چکے ہیں۔

دماغ پر نشہ
یہ نشہ ایسا ہے کہ:
روتی ماں بھی نظر نہیں آتی
بیمار باپ کی دوا بھول جاتی ہے
تنہا دوست کی کال مس ہو جاتی ہے
گلی کے فقیر کو حقیر سمجھا جاتا ہے

حتیٰ کہ اپنی اولاد بھی "انویسٹمنٹ" لگنے لگتی ہے
اور سب کچھ جائز ہو جاتا ہے، کیونکہ مقصد صرف ایک ہے:
سٹیٹس! پیسہ! مقام! شہرت!

اور آخر ...میں انسان خود مر جاتا ہے

اتنا سب کچھ جمع کرنے کے بعد،
جب وہ شخص خود بستر مرگ پر ہوتا ہے
تو اسے صرف ایک سوال ستاتا ہے:

> "اتنی دولت جمع ...کی
مگر کیا کوئی دل سے یاد کرے گا؟
کیا میرے لیے کوئی ہاتھ دعا میں اٹھے گا؟
یا میں بھی ایک بند دراز میں رکھے کاغذ کی طرح بھلا دیا جاؤں گا؟"

اختتامیہ

پیسہ برا نہیں،
مگر پیسے کا نشہ انسان کو بے رحم، خالی اور برباد کر دیتا ہے۔

خدارا،
رشتوں کو مت بھولیں،
دعاؤں کو مت چھوڑیں،
انسانوں کو پیسے سے نہ تولیں۔

> ایک وقت آئے گا جب صرف نیکیاں باقی ہوں گی —
اور سب کچھ، جو آج آپ کو "کامیابی" لگ رہا ہے —
وہ آپ کے کفن کی جیبوں میں نہیں جائے گا۔

ابھی وقت ہے۔
سنبھل جائیں،
کہیں ایسا نہ ہو کہ کل آپ کی میت پڑی ...ہو اور وارث الجھے ہوں زمین کے کاغذوں میں۔

خدا سے ہم کلام ہونا۔ ایک مشورہ، ایک فریاد

ہم سب...
روز کسی نہ کسی انداز میں خدا سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

کبھی لبوں پر دعا ہوتی ہے،
کبھی دل میں ایک خلش،
کبھی رات کے سناٹے میں آنکھوں سے بہتی فریاد،
کبھی سجدے میں ایک ان کہی التجا۔

ہم میں سے ہر کوئی رب سے کچھ نہ کچھ مانگ رہا ہے —
رزق، عزت، محبت، اولاد، کامیابی، ...شفا
لیکن کبھی کسی نے رب سے کوئی سوال کیا ہے؟

کوئی ایسا سوال — جو دل سے پھوٹا ہو، سچ سے بھرا ہو، اور شاید... ایک مشورہ ہو؟

اگر میں رب سے کچھ کہوں؟

گستاخی نہ سمجھی جائے،
پر اگر میں کبھی اپنے رب سے مشورہ دوں، تو بس یہ عرض کروں:

> "یا رب، یا سب کچھ جاننے والے!
جب تو نے دنیا کو مختلف طبقات میں پیدا کرنا تھا —
امیر و غریب، عالم و جاہل، طاقتور و مجبور —
تو پھر کسی غریب کے بچے کو وہ عقل، وہ شعور، وہ علم کیوں دیا
جو اُسے اُس دنیا سے لڑنے پر مجبور کرے، جسے وہ کبھی جیت نہیں سکتا؟"

کیوں ایسا ہوتا ہے کہ:
ایک بچہ جھونپڑی میں پیدا ہو کر
اتنا بڑا خواب دیکھتا ہے کہ اس کی نیندیں بوجھ بن جاتی ہیں؟

اسے اتنا شعور ملتا ہے کہ وہ ہر ظلم کو پہچانتا ہے،
لیکن اتنی طاقت نہیں ملتی کہ وہ ظلم کے نظام کو بدل سکے۔

علم... اور پھر بغاوت... اور پھر خاموش موت

علم ایک نعمت ہے —
لیکن جب علم طاقت کے بغیر آتا ہے،
تو وہ انسان کو بغاوت سکھاتا ہے، درد دیتا ہے، اور آخرکار توڑ دیتا ہے۔

وہ بچہ جو سوال کرتا ہے:
"کیوں میرے پاس کتاب نہیں؟"
"کیوں میرے ماں باپ مزدور ہیں؟"
"کیوں مجھے اسکول میں نیچا سمجھا جاتا ہے؟"

وہ بچہ، جو محنت کرتا ہے،
جو دعائیں کرتا ہے،
جو خواب سجاتا ہے...

اک دن تھک کر گر جاتا ہے۔
زمانے سے لڑتے لڑتے،
نہ ہار مانتا ہے، نہ جیت پاتا ہے،
بس... خاموشی سے مر جاتا ہے۔

یا رب، دو ہی راستے دے

اگر یہ دنیا انصاف نہیں دے سکتی،
تو یا رب:

> یا تو سب کو ایک جیسا بنا دے...
تاکہ کوئی کم نہ ہو، کوئی کمتر نہ ہو، کوئی پیچھے نہ ہو۔

> اور اگر ایسا ممکن نہیں —
تو پھر کسی غریب کے بچے کو اتنا علم ہی نہ دے
کہ وہ سوال کرے،
کہ وہ خواب دیکھے،
کہ وہ چپ رہنے کے قابل نہ رہے،
کہ وہ مرنے سے پہلے سو بار مرے۔

یا پھر اُسے وہ ہمت، وہ طاقت، وہ جگر، وہ روشنی دے
کہ وہ زمانے کو شکست دے کر تیرے حضور آئے — سر اٹھا کے، فخر سے۔

اختتامیہ

خدا سے ہم کلام ہونا صرف دعا مانگنا نہیں —
کبھی کبھار، دل کے اندھیرے میں ایک فریاد کرنا بھی عبادت ہوتا ہے۔

اور کبھی کبھی،
خدا ہم سے یہی سننا چاہتا ہے —
کہ ہم اس کی تخلیق سے سوال کریں،
تاکہ وہ ہمیں جواب کے ساتھ راستہ بھی عطا کر دے۔

کلام

واہ خدا تیری خدائی آج تلک سمجھ نا آئی

تُو کسی عقل میں کم کسی میں زیادہ رہتا ہے
غافل انسان ایک سجدے پر ہی آمادہ رہتا ہے
کوئی مر جاتا ہے کُلی کو ترستے ترستے یہاں
کوئی مسجدوں کی تعمیر میں گمُشدہ رہتا ہے
ملتے نہیں ہو کہیں اور دل میں ہو
واہ خدا تیری خدائی آج تلک سمجھ نا آئی
جگہ جگہ ذرے ذرے میں تیرا نشان ہے
ڈھونڈے نہیں ملتا تیرا عکس کہاں ہے
واہ خدا تیری خدائی آج تلک سمجھ نا آئی
فرید چُپ تھا کئی سال خلوت گزار میں
فیض اک مائی کو مل گیا اُس کے اِقرار میں
واہ خدا تیری خدائی آج تلک سمجھ نا آئی

کلام

کبھی علم ملا خلوت کے سفر میں
کبھی مکتب میں کوئی بے خبر رہتا ہے
واہ خدا تیری خدائی آج تلک سمجھ نہ آئی
کبھی تُو عطا کرے بغیر صدا کے
کبھی رو رو کے بندہ بس دعا میں رہتا ہے
واہ خدا تیری خدائی آج تلک سمجھ نہ آئی
کوئی کوٹھے پہ بیٹھا فقیر بن جاتا ہے
کوئی سجدوں میں بھی خالی جھولی لے آتا ہے
واہ خدا تیری خدائی آج تلک سمجھ نہ آئی
محبت میں کوئی راہی جلے عمر بھر
کسی کو لمحے میں تیرا دیدار ہو جاتا ہے
واہ خدا تیری خدائی آج تلک سمجھ نہ آئی
کبھی تُو بن کے نرمی بولتا ہے
کبھی خاموش رہ کے رولتا ہے

کلام

کسی کی سوچ میں ظاہر ہوا ہے
کسی کے وہم میں تُو ڈھل گیا ہے
کبھی انکار کی صورت میں آیا
کبھی اقرار بن کر چل دیا ہے
کوئی جانے، کوئی پہچان لے تُجھے
کسی کو بس گماں سا ہو گیا ہے
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
حیران ہے قُل خلقت کہہ ہمارا کیا ہوگا
ایماں والے جانتے ہے جنت میں خدا ہوگا
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
کبھی تو رب نظر آئے کسی معصوم چہرے میں
کبھی مظلوم کی آہوں میں بس تیرا پتا ملتا ہے
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی

کلام

کبھی دکھ میں سکوں دے دے، کبھی راحت میں کھو دے
کبھی جیتا ہوا شخص بھی اندر سے ہارا لگتا ہے
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
کہیں صحرا میں پانی بن کے چشمہ تُو ہی نکلا
کہیں دریا کے بیچوں بیچ پیاسا آدمی رہتا ہے
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
کسی کو تو عطا کر دے بغیر کوئی طلب کے
کسی کو عمر بھر التجا کرتے گزر جاتی ہے
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
چپ ہو کے دیکھتے ہو، جواب کیوں نہیں دیتے؟
ہر ایک صدا پر، خطاب کیوں نہیں دیتے؟
جو گنگ ہیں زباں سے، وہ دل سے چیختے ہیں
ان کے شکوے سن کے، حساب کیوں نہیں دیتے؟
کبھی یوں بھی نظر آ، کہ آنکھ بھر نہ سکے

کلام

ہم کو خودی کے اندھیروں سے نکال کیوں نہیں لیتے؟
نہ رنگ ہے، نہ خوشبو، نہ کوئی روشنی باقی
کیا تُو فقط خیال ہے؟ یا کوئی حقیقت باقی؟
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
کب سے دل میں یہ تمنا ہے، بیاں کیوں نہیں ہوتی؟
تو جو ہر جا ہے، تو مجھے عیاں کیوں نہیں ہوتی؟
تیری رحمت کا طلبگار ہر اک دل ہے یہاں
پھر یہ دنیا تیرے بندوں پہ مہرباں کیوں نہیں ہوتی؟
تو نے لوح و قلم کو بھی عطا کی ہے زباں
پھر میرے مقدر میں سناں کیوں نہیں ہوتی؟
جب خطاکار بھی تجھ سے لو لگاتے ہیں، سنیں
پھر میرے زخم کی مرہم نشاں کیوں نہیں ہوتی؟

کلام

تو ہی رازِ کُن ہے، تو ہی اصلِ ماجرا
پھر یہ منظر، یہ پسِ پردہ جہاں کیوں نہیں ہوتی؟
تیری آیات میں بھی ذکر ہے قربت کا بہت
پھر یہ خالی سا دل، تیرا مکاں کیوں نہیں ہوتی؟
مانا تیری ذات ہر سو جلوہ افروز ہے
پھر بھی انساں کو تری پہچان کیوں نہیں ہوتی؟
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
عشق کی راہ میں ہوتا ہے یقیں کیوں نہیں ہوتا؟
دل میں موجود ہو کر بھی مکیں کیوں نہیں ہوتا؟
جب بھی روتا ہے کوئی درد میں تیرے آگے
تو ہی دمساز ہے، پھر وہ سکیں کیوں نہیں ہوتا؟
تیرا جلوہ تو ہر اک سمت میں پایا ہم نے
پھر ہماری ہی نگاہوں میں یقیں کیوں نہیں ہوتا؟

39/47

کلام

بندگی میں ہے جھکا ہر سرِ فطرت لیکن
دل بشر کا تری جانب متّیں کیوں نہیں ہوتا؟
جو تری یاد میں جلتا ہے سحر سے پہلے
اس کے حصے میں کوئی صبحِ حسیں کیوں نہیں ہوتا؟
تو ہی کہتا ہے کہ دَم بھر بھی جدا ہم سے نہیں
پھر ہمارے لبوں پر ذکرِ قریں کیوں نہیں ہوتا؟
جس نے بخشا ہمیں ہر رنگ، ہر احساس، ہر لَے
پھر وہی رنگ دلوں میں مکیں کیوں نہیں ہوتا؟
یہ جہاں سجدہ گزاراں کی مثالیں دیتا
پھر مرا سجدہ بھی تیرے لئے زِیں کیوں نہیں ہوتا؟
کرب میں بھی تری رحمت نظر آتی ہے مگر
یہ نظر راز کی پہچان میں تیں کیوں نہیں ہوتا؟
تو ہی دریا ہے، کنارا ہے، سفینہ ہے، ہوا
پھر بھی غرقاب یہ دل بے یقیں کیوں نہیں ہوتا؟
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی

کلام

جب دشت میں اصغرؑ نے بھی پانی کو پکارا
کیوں کان نہ کھولے، نہ برسا کوئی دھارا
کیا لاشِ جواں زین پہ بھی کچھ نہ کہا تُو نے؟
کیا کربَ کی ساعت میں بھی تکتا رہا پیارا؟
جس خاک پہ چل کے نبیؐ آئے مدینے سے
کیوں وہی خاک بنی ظالموں کا سہارا؟
تو جانتا تھا، پھر بھی کیوں خنجر نہ رُک پایا؟
کیوں خوں سے تر ہوا نواسہؑ کا دُولارا؟
تو عادل ہے، مگر پھر بھی ترا انصاف کیسا؟
ہر سوال پہ چُپ، ہر جواب میں اشارہ
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی

کلام

کبھی صحرا میں تنہا، کبھی بھیڑ میں گم پایا
کہیں سجدے میں رویا، کہیں ہنستا ہوا سایہ
کبھی اندھیری راتوں میں ستارے بھی نہ مل پائے
کبھی سورج کے ہوتے بھی نظر کچھ بھی نہ آیا
یہ کیسا کھیل ہے مولا، کہ ہر شے دو رُخی سی ہے
کوئی ہنستا ہوا قاتل، کوئی روتی ہوئی آیا
یہ کیسا راز ہے مولا؟ یہ کیسا کھیل ہے تیرا؟
سمجھنے چلا عقل سے، مگر راز نہ بن پایا
نہ منزل ہے، نہ رستہ، نہ منزل کا پتہ ہے
یہ کیسا کارخانہ ہے، نہ ابتدا نہ انتہا ہے
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
کس کو دیں ہم اپنی ہستی کا فسانہ بے صدا
جس طرف دیکھیں، وہاں تُو ہے مگر ہے فاصلہ
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی

کلام

دل کے اندر روشنی ہے، آنکھ میں لیکن دھواں
تُو تو ہر شے میں بسا ہے، پھر بھی کیوں ہے یہ گماں
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
تو نے سب کو رزق بخشا، سب کی سنتا ہے دعا
پھر بھی کیوں کچھ لب سلے ہیں، کچھ نگاہیں بے نوا
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
جیسے کوئی بھی نہیں ہے، ہر طرف ہے اک خلا
پھر بھی ہر سانس میں تُو ہے، ہر صدا میں تُو بسا
واہ خدا تیری خدائی، آج تلک سمجھ نہ آئی
کوئی کہے پنڈت سچا
تو کوئی بولے مُلا سچا
کوئی کعبہ جانے، کوئی بت کو پوجے
کوئی دیپ جلائے، کوئی سجدہ کرلے
کسی کو تُو دُور، کسی کو تُو پاس
کسی کا تُو راز، کسی کا قیاس

کلام

کوئی سچ میں ہے، کوئی وہم میں ہے
کوئی لب پر ہے، کوئی ذہن میں ہے
ہر راہ تیرا پتہ مانگتی ہے
ہر بات تیری صدا بانگتی ہے
کسی نے تجھے نور سے جانا
کسی نے کہا تُو ہے افسانہ
پر تُو تو ہر شَے میں جلوہ نما
تُو ہی ہے سب کا رب العلا
نہ تُو ہندو کا، نہ تُو مسلم کا
نہ تُو قیدی کسی مذہب کا
ہر اک دل کا تُو مکیں نکلا
ہر سچ کا تُو بھی یقیں نکلا
تو ہی سب کا خدا، تو ہی سب کا ہے تُو
لا شریک لہ ، اللہ ھُو
اللہ ھُو

کلام

فخر بھی اب یہی جپتا پھرے، کُو بکُو

وَحدہ وَحدہ

لا شریک لہ

اللّٰہ ھُو، اللّٰہ ھُو، اللّٰہ ھُو

اختتامیہ شکریہ

شکریہ استاد محترم شاہین سیف بلوچ
صاحب، والدین، شریک حیات،
قارئین اور اللہ کا۔

فِل وقت اجازت چاہتا ہوں
انشاللہ پھر ملاقات ہو گی اگلی
کتاب کے ساتھ

شاعر
فخر شہزاد
(ایم ایف ایس)

پبلش تاریخ

25 جولائی 2025 بروز جمعہ ٹائم
دوپہر 2 بجکر 33 منٹ

تعاون

ابو موسیٰ پرنٹنگ و پبلشر سنٹر لاہور پاکستان

شاعر کا رابطہ نمبر
03047680862

شاعر
فخر شہزاد
(ایم ایف ایس)